عقیدۂ آخرت کے ثبوت اور اسکی اہمیت پر ایک مُدلّل فکر انگیز و ایمان افروز تحریر

بنام

عقیدۂ آخرت

مُصنّف

رئیسُ التحریر و محسنِ ملّت علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ الباری

پیشکش: مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

پیش لفظ

از: مفتی فضیل رضا قادری عطاری مُدَّظِلُّہُ الْعَالِی

قرآنِ کریم میں اللہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی کا یہ فرمان موجود ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ﴿۱۵۷﴾ [1]

ترجمۂ کنز الایمان: تو وہ جو اس (نبی مکرم) پر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور (یعنی قرآن) کی پیروی کریں جو اسکے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں اگر حضرت علامہ فہامہ ارشد القادری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی حیاتِ طیبہ کا جائزہ لیا جائے تو ان کا ایمان بھی کامل کہ نبی کی محبت و عقیدت اور تعظیم و توقیر سے ان کا دل نہ صرف یہ کہ خوب سیراب ہو چکا تھا بلکہ اس سے چھلکتے عشقِ رسول کے فیضان سے ایک زمانہ سیراب ہوتا رہا اور ہو رہا ہے نبی کی عزت و ناموس اور نبی کے دین کی خدمت و حفاظت میں بسر ہونے والے ان کی زندگی کے صفحات کا ایک عالم گواہ ہے خود بھی شریعت کے پابند قرآن کے نور سے منوّر دل اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر سختی سے کاربند اور دوسروں کو پابندی کا زندگی بھر درس دیتے رہنا۔

الغرض مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی رو سے نجات و فلاح کا مدار جن چار چیزوں پر ہے وہ حضرت کی زندگی میں کمال کے ساتھ جمع دکھائی دیتی ہیں، خود جاگ کر

1... پ۹، الاعراف: ۱۵۷

دوسرے کو جگانے اور خود کام کرنے اور دوسروں کی ذہن سازی کر کے کام میں لگانے والے افراد کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے مگر محسنِ ملت علامہ ارشد القادری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی ذات بابرکات ایسے علمائے حق کے زمرے میں ممتاز مقام پر فائز نظر آتی ہے ان کی زندگی بھر کی فکری، عملی، تقریری اور تحریری سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو تین میدان سامنے آتے ہیں:

(الف) دین کے بنیادی عقائد کے تحفظ و دفاع اور علماءِ سُوء کی تخریب کاریوں کو طشت اَز بام کرنا۔

(ب) کسی فرد کے دل و دماغ کو جھنجھوڑنا اور اُسے خوابِ غفلت سے بیدار کر کے دین پر عمل کرنے اور اس کے ڈنکے بجانے کے لئے تیار کرنا۔

(ج) اسلام و سنّیت کے اجتماعی مقاصد کے لئے علمائے حق کو اتحاد و اتفاق کے ساتھ وسیع پیمانے پر دینِ متین کی خدمت کرنے کے لئے مختلف اداروں اور تنظیموں کی بنیادیں رکھنا۔

دین سے دوری کی بناء پر محض مادی ماحول میں پروان چڑھنے والے جو طرح طرح کی غلط فہمیوں اور فکری الجھنوں میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں موجودہ نازک حالات میں ان کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام کے بنیادی نظریات اور ضروری احکام کو دلنشین تمہید و مدلل تشریح کے ساتھ مسلمانوں کے دل و دماغ میں پیوست کرنا ضروری ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام و سنّیت اور اسلامی شخصیات پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی مدلل مگر تاثیری حُسن کے

ساتھ عصری اسلوب میں دینا ناگزیر ہوچکا ہے، رئیس التحریر علامہ ارشد القادری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کو اس لحاظ سے مثالی مصنف ہونے کا مقام بھی حاصل ہے اور اس دعویٰ پر کسی قسم کی نئی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کتب ورسائل خود مُسَلَّم گواہ کی صورت میں موجود ہیں بس کھول کر پڑھنے کی دیر ہے، ان کی یہ باقیات خصوصیت کے ساتھ مدارِس کے طلباء اور فارغ التحصیل ہونے والے علماء کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوسکتی ہیں۔

موجودہ کتاب جو" عقیدۂ آخرت "کی اہمیت عقل و نقل کی روشنی میں اجاگر کرتے ہوئے لکھی گئی ہے اس میں پیچیدہ مضامین کو کس قدر دلنشین اسلوب میں خوب سہل کر کے بیان کیا ہے پڑھنے کے بعد ہی اس کا احساس قاری کو ہوسکتا ہے اس پُر فتن دور میں جب ترقی و آزادی کے نام پر بدترین قسم کی برائیاں معاشرے میں پروان چڑھ رہی ہیں حیا و حجاب کے سنہری مقدّس زیور کے بجائے بے حیائی اور بے غیرتی کو اپنے لئے پسند کیا جارہا ہے خوفِ خدا اور خوفِ روزِ جزا کا خیال تک ذہنوں سے نکلتا جارہا ہے مُسَلَّمہ احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں ہورہی ہیں اس قسم کی صورت حال میں عقیدۂ آخرت کی سچی یاد دلانا اور دل و دماغ میں اس عقیدہ کو راسخ کرنا کس قدر ضروری ہوچکا ہے ہر ایک اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگاسکتا ہے بس اس اہم کتاب کو آپ کی اپنی آخرت کی بھلائی کے لئے کامل توجہ درکار ہے اسی کتاب کے چند اہم مضامین پیش خدمت ہیں۔

فکر آخرت کا مختصر بیان

پہلا اقتباس

مادیت پرستی کے اس دور میں واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارے افکار واعمال پر اب مذہب کی گرفت دن بہ دن ڈھیلی پڑتی جارہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کی باز پُرس کا خطرہ اب ایک تصوّرِ موہوم ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ غور فرمایئے تو مذہب کی بنیاد ہی عقیدۂ آخرت پر ہے۔ عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین دل میں راسخ ہوجائے کہ ہم مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور خدا کے سامنے ہمیں اپنی زندگی کے سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اپنے عمل کے اعتبار سے جزا و سزا دونوں طرح کے نتائج کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا، اسی یَومُ الْحِساب کا نام مذہبِ اِسلام کی زبان میں قیامت ہے۔

اگر آخرت کا یہ اعتقاد دلوں سے نکل جائے تو مذہب کی پابندی کا سوال ہی بے معنیٰ ہو کر رہ جائے، آخر کوئی آدمی کیوں رمضان کے مہینے میں سارا دن اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھے، ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں کیوں کوئی اپنے گرم لحاف سے نکل کر مسجد کی طرف جائے، اپنے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت کیوں کوئی زکوٰۃ کے نام پر غریبوں میں لٹائے، خواہشِ نفس اور قدرت واختیار کے باوجود کیوں کوئی ایسی بہت ساری چیزوں سے منہ موڑے جسے مذہب نے ممنوع قرار دیا ہے؟ یہ ساری مشقتیں اور تکلیفیں صرف اسی لیے تو گوارا کرلی جاتی ہیں کہ ان کے پیچھے یا تو عذاب کا خطرہ لاحق ہے یا پھر دائمی آسائش وراحت کا تصوّر مذہب کی ہدایات پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے یہ دو مُحَرِّکات ہیں جو دل کے ارادوں پر حکومت کرتے ہیں دوسرے لفظوں میں اسی عقیدے کا نام "اِیمان بِالْغَیب" ہے یعنی اپنی آنکھ سے دیکھے اور اپنے کان سے سنے بغیر ان حقائق کا اپنے مشاہدہ سے بھی بڑھ کر یقین کیا جائے جن کی خبر رسولِ اعظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

دوسرا اقتباس

اس عالمِ ہستی میں انسان کی آمد پر آپ غور کریں گے تو آپ پر یہ راز کھلے گا کہ انسان اچانک یہاں نہیں آگیا بلکہ اس عالَم میں قدم رکھنے سے پہلے کئی عالم سے وہ گزر چکا تھا، پہلا عالم "عالَمِ اَرواح" ہے جہاں اس کی روح موجود تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ استقرارِ حمل کے کچھ عرصہ بعد جب بچے کے جسم میں روح داخل ہوتی ہے اور وہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے وہ روح کہاں تھی یا کہاں سے آئی؟ وہ جہاں بھی موجود ہو یا جہاں سے بھی آئی ہو اسی عالم کا نام عالمِ ارواح ہے۔

اب عالمِ ارواح کے بعد دوسرا عالم ہے "شکمِ مادر" جسے عالم ارحام بھی کہا جاتا ہے، اس عالم میں بھی انسان کو کم و بیش نو مہینے رہنا پڑتا ہے، ایک منٹ رک کر ذرا قدرت کا یہ حیرت انگیز انتظام دیکھئے کہ ایک چلتی پھرتی قبر میں نو مہینے تک ایک بچہ زندہ رہتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی کے لیے جتنے اسباب کی ضرورت ہے وہ سارے اسباب بچے کو وہاں فراہم کیے جاتے ہیں۔

شکمِ مادر سے باہر آجانے کے بعد اگر ساری دنیا کے اَطبّاء و حکماء چاہیں کہ پیٹ چاک کر کے پھر بچے کو دوبارہ اس جگہ منتقل کر دیں تو یقین ہے کہ ایک منٹ بھی وہاں زندہ نہیں رہ سکے گا، یہیں سے خدا اور بندوں کے انتظام کا فرق سمجھ میں آجاتا ہے کہ جو چیز بندوں کے لیے ناممکن ہے وہ خدا کی قدرت کے سامنے ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہر عالم کا ماحول اور تقاضا الگ الگ ہے، ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں کیا جا سکتا۔

اتنی تفصیل کے بعد کہنا یہ ہے کہ عالمِ دنیا میں آنے سے پہلے اگر انسان کو مرحلہ وار دو عالم سے گزرنا پڑتا ہے تو عالم دنیا کے بعد بھی اگر کوئی چوتھا عالم مان لیا جائے تو اس میں کیا عقلی قباحت ہے؟ اسی چوتھے عالم کا نام ہم عالم آخرت رکھتے ہیں اگر اسی نام سے اختلاف ہے تو کوئی اور نام رکھ لیا جائے لیکن ایک چوتھا عالم تو بہر حال ماننا ہی پڑے گا؛ کیونکہ مرنے کے بعد جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہی سوال یہاں بھی اٹھے گا کہ نکل کر وہ کہاں گئی؟ وہ جہاں بھی گئی ہو اسی کا نام عالمِ آخرت ہے۔

تیسرا اقتباس

توحید کے بعد دوسری صفت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام پر مُنْکَشِف کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے وہ آخرت پر یقین رکھنا تھا؛ کیونکہ دین کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے جس کی عبادت کی جانی چاہیے اور دوسرا بنیادی اصول آخرت پر یقین رکھنا ہے جسے سورۃ البقرہ ۲ کی پہلی ہی آیت میں عَلَی التَّرتِیب اس طرح فرمایا گیا ہے کہ

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ [1] (ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں) اور وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ [2] (ترجمۂ کنزالایمان: اور آخرت پر یقین رکھیں) اور ایسے ہی لوگوں کو ان ہی آیات میں مُتَّقِین (ڈروالے) کے لقب سے نوازا گیا ہے اور بلند مرتبہ کتاب (قرآن) ایسے ہی ڈروالوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئی ہے۔

چوتھا اقتباس

کُفر بِاللہ محض ہستیِ باری کے انکار کا نام ہی نہیں ہے بلکہ تکبر اور فخر و غرور اور انکارِ آخرت بھی اللہ سے کفر ہی ہے، جس نے یہ سمجھا کہ میری دولت اور شان وشوکت کسی کا عطیہ نہیں بلکہ میری قوت و قابلیت کا نتیجہ ہے اور میری دولت لازوال ہے کوئی اس کو مجھ سے چھیننے والا نہیں اور کسی کے سامنے مجھے حساب دینا نہیں وہ اگر خدا کو مانتا بھی ہے تو محض ایک وجود کی حیثیت سے مانتا ہے اپنے مالک اور آقا اور فرمانروا کی حیثیت سے نہیں مانتا حالانکہ اِیمان بِاللہ اسی حیثیت سے خدا ماننا ہے نہ کہ محض ایک موجود ہستی کی حیثیت سے۔

پانچواں اقتباس

آخرت کے انکار کے بعد خدا کو ماننا دینِ اسلام میں کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ آخرت کو مُسْتَبْعَد سمجھنا صرف آخرت ہی کا انکار نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور حکمت کا بھی انکار ہے، کم ظرف لوگ جنہیں دنیا میں کچھ شان و شوکت حاصل ہو جاتی ہے ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ انہیں اسی دنیا میں جنت نصیب ہو چکی ہے اور اب وہ کون سی جنت ہے جسے حاصل کرنے کی وہ فکر کریں؟

1... پ۱، البقرۃ: ۳   2... پ۱، البقرۃ: ۴

چھٹا اقتباس

انکارِ آخرت وہ چیز ہے جو کسی شخص، گروہ یا قوم کو مجرم بنائے بغیر نہیں رہتی، اَخلاق کی خرابی اس کا لازمی نتیجہ ہے اور تاریخِ انسانی شاہد ہے کہ زندگی کے اس نظریے کو جس قوم نے اختیار کیا ہے وہ آخر کار تباہ ہو کر رہی، آخرت سے انکار دراصل خدا اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے اور آخرت سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدۂ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مانع سمجھتے ہیں جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگیٔ نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بہ روز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔

ساتواں اقتباس

عالمِ آخرت کا تصوّر صرف اہلِ اسلام ہی کے عقیدے میں نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کی فطرت اسی عقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔

چند مخصوص طبقات اور چند مخصوص عہد کے لوگوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فکر و اِعتقاد کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے لیکن نسلِ انسانی کے یومِ آغاز سے لے کر آج تک بلا تفریق ساری دنیا کے انسانوں پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جاسکتا کہ آخرت کے تصوّر کو اپنے مذہبی عقائد کی فہرست میں شامل کر کے وہ فریبِ مسلسل کا شکار رہے خاص طور پر ان حالات میں جب کہ عقیدۂ آخرت کی تعلیم دینے والوں میں وہ انبیاء و مرسلین (عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) بھی ہیں جن کی شخصیتیں نہ صرف اہلِ اسلام میں بلکہ اقوامِ عالم میں بھی مُسَلَّمُ الثُّبُوت اور عزت

وشرف کی حامل ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اپنے حلقے میں مذہبی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے ہیں اس لیے کہنے دیا جائے کہ اگر تاریخ کے ہر دور کے سارے انسانوں کو ہم جھوٹا قرار دے دیں تو پھر اس دنیا میں کون سچا رہ جائے گا؟............... عقیدۂ آخرت کی تکذیب کرنے والا صرف کسی ایک طبقے کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ ابتداء سے لے کر آج تک ہر عہد کے سارے انسانوں کو وہ جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے۔

یہ تو چند جھلکیاں تھی اب کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے محسنِ ملت کی ایمان افروز تحریر سے استفادہ کیجئے، **نیز یاد رہے کہ اس کتاب پر مجلس "المدینۃ العلمیۃ" کی طرف سے مندرجہ ذیل کام کئے گئے ہیں:**

- اکثر مقامات پر آیات کے ترجموں پر اکتفا تھا تو ان کی آیات بھی ذکر کر دی گئیں اور اصل کتاب سے جدا کرنے کیلئے انہیں بریکٹ میں کر دیا گیا ہے۔
- جہاں آیات کا ترجمہ نہیں کیا گیا تھا وہاں "کنز الایمان" سے بریکٹ میں ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔
- اصل کتاب میں آیات کا حوالہ جس طرح دیا گیا تھا اسے اسی طرح برقرار رکھتے ہوئے قاری کی مزید آسانی کیلئے حاشیہ میں سورت کے نام، پارہ نمبر اور آیت نمبر کے ساتھ تخریج کر دی گئی ہے اور جہاں اصل کتاب میں آیت کی تخریج نہیں کی گئی تھی اسکی تخریج کا بھی حاشیہ میں اہتمام کر دیا گیا ہے۔

- جن آیات کے حوالہ یا ترجمہ میں کتابت کی غلطی لگی ان مقامات کا قرآن پاک اور کنز الایمان سے تقابل کر کے متن ان کی تصحیح کرتے ہوئے حاشیہ میں وضاحت کر دی گئی ہے۔
- مضمون کی مناسبت سے نئی ہیڈ نگز کا اضافہ اور بریکٹ کے ذریعے مصنّف رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی ہیڈ نگز سے انہیں ممتاز کر دیا گیا ہے۔
- جہاں تخریج کی ضرورت تھی وہاں تخریج بھی کر دی گئی ہے۔
- مشکل الفاظ پر اعراب اور حاشیہ میں ان کے معنٰی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔
- آخر میں ماخذ و مراجع و فہرست کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہمارے ہر عمل کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرمائے اور اس کو عوام و خواص کیلئے نفع بخش بنائے!

آمین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّم

ابو الحسن فضیل رضا القادری العطاری عَفَاعَنْہُ الْبَارِی

عالمِ برزخ

دنیا اور آخرت کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو برزخ کہتے ہیں، مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام اِنس و جن کو حسبِ مراتب اُس میں رہنا ہوتا ہے اور یہ عالم اِس دنیا سے بہت بڑا ہے۔ دنیا کے ساتھ برزخ کو وہی نسبت ہے جو ماں کے پیٹ کے ساتھ دنیا کو، برزخ میں کسی کو آرام ہے اور کسی کو تکلیف۔ (بہار شریعت،۱/۹۸)

عقیدۂ آخرت

توحید کے بعد دوسری صفت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء عَلَیۡہِمُ السَّلَام پر مُنۡکَشِف[1] کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے وہ آخرت پر یقین رکھنا تھا کیونکہ دین کا پہلا بنیادی **اصول** یہ ہے کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے جس کی عبادت کی جانی چاہیے اور دوسرا بنیادی **اصول** آخرت پر یقین رکھنا ہے جیسے سورۃ البقرہ ۲ کی پہلی ہی آیت میں عَلَی التَّرۡتِیب[2] اس طرح فرمایا گیا ہے کہ

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ[3] (ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں) اور **وَبِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ**[4] (ترجمۂ کنزالایمان: اور آخرت پر یقین رکھیں) اور ایسے ہی لوگوں کو ان ہی آیات میں **مُتَّقِین** (ڈر والے) کے لقب سے نوازا گیا ہے اور بلند مرتبہ کتاب (قرآن) ایسے ہی ڈر والوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئی ہے۔

(انتخابِ انبیاء کی اہم وجہ:)

خدائے تعالٰی نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو اگر کلمۂ حق بلند کرنے کے لیے منتخب کیا تو منتخب کیے جانے کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ **اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ** (قدرت اور علم والے) تھے بلکہ جیسا خود خدائے تعالٰی سورۂ ص ۳۸ کے رکوع ۴ میں فرماتا ہے کہ ان چیدہ بندوں کو منتخب کیے جانے کی وجہ ان کی یہ خالص صفت تھی

1... آشکار۔

2... ترتیب کے ساتھ۔

3... پ۱، البقرۃ: ۳۔

4... پ۱، البقرۃ: ۴۔

کہ وہ دارِ آخرت کو یاد رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی یاد دلاتے تھے۔

ارشاد ہے:

(وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾)[1]

اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو بیشک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے۔

(فلاح ونجات کا مجرب نسخہ:)

جب کوئی اللہ اوراس کی قدرت اور حکمت پر ایمان لے آتا ہے تو وہ ایسا سہارا تھام لیتا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور وہ نتیجتاً[2] فلاح کا حقدار بن کر اس چیز کو پالیتا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے یعنی آخرت کی کامیابی۔ دین میں عقیدۂ آخرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا گیا ہے:

(هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ عُقْبًا)[3]

اس (اللہ) کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام بھلا۔ (سورۃ الکہف۱۸، رکوع۵)

دینِ اسلام میں عقیدۂ آخرت کی اسی اہمیت کی وجہ سے روزِ جزا کو برحق ماننا ایک مومن کی صفات میں دیگر صفات کے ساتھ لازمی سی چیز قرار دی گئی ہے

1 ... پ۲۳، صٓ: ۴۵-۴۶۔

2... اس کے بدلے میں۔

3... پ۱۵، الکہف: ۴۴۔

چنانچہ ایک موقعہ پر ان کی اس صفت کو اس طرح فرمایا گیا ہے:

(وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾)[1] اور وہ جو انصاف کا دن سچ جانتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ (سورۃ المعارج ۷۰، رکوع ۱)

(انکارِ آخرت کے بعد خدا کو ماننا بے معنیٰ ہے:)

آخرت کے انکار کے بعد خدا کو ماننا دین اسلام میں کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ آخرت کو مُسْتَبْعَد[2] سمجھنا صرف آخرت ہی کا انکار نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور حکمت کا بھی انکار ہے، کم ظرف لوگ جنہیں دنیا میں کچھ شان و شوکت حاصل ہو جاتی ہے ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ انہیں اسی دنیا میں جنّت نصیب ہو چکی ہے اور اب وہ کون سی جنّت ہے جسے حاصل کرنے کی وہ فکر کریں؟

(منکرِ آخرت کی مثال اور اس کا انجام:)

ایسی ہی مثال خدائے تعالیٰ نے سورۃ الکہف ۱۸ کے رکوع ۵ میں دو مردوں کی دی ہے جن میں ایک کو اس نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے جو کھجوروں سے ڈھانپ دیئے گئے تھے اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی گئی تھی دونوں باغوں کے بیچ میں خدا نے نہر بھی بہادی تھی اور وہ پھل بھی خوب دیتے تھے، ایک روز یہ شخص اپنے ساتھی سے بولا کہ

1... پ۲۹، المعارج: ۲۶-۲۷۔
2... بعید، ناممکن۔

(اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾
وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖۚ
قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًاۙ ﴿۳۵﴾
وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةًۙ وَّ لَىِٕنْ
رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا
مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ
يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
رَجُلًاؕ ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَ لَاۤ
اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ
دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُۙ
لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا
اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًاۚ ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى
رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ

میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا
زیادہ زور رکھتا ہوں، اپنے باغ (جنت) میں گیا اور
اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا بولا: مجھے گمان نہیں کہ یہ
کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم
ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا بھی تو
ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا اس
کے ساتھی نے اس سے الٹ پھیر[1] کرتے
ہوئے جواب دیا: کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے
جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر ستھرے پانی کی
بوند سے پھر تجھے ٹھیک مرد کیا لیکن میں تو یہی
کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی
کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں اور کیوں
نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں (جن تک) گیا تو
کہا ہوتا جو چاہے[2] اللہ ہمیں کچھ زور نہیں
مگر اللہ کی مدد کا اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد
میں کم دیکھتا تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے

1... یعنی بحث۔
2... اصل میں عبارت اس طرح تھی: "(جن تک) گیا ہوتا تو کیا ہوتا جو چاہیے" جسے کنز الایمان سے تقابل کرکے درست کر دی گئی۔

يُّرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِيۡدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوۡ يُصۡبِحَ مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾)[1]

تیرے باغ سے اچھا دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پَر[2] میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے۔

خدا نے اُسے اس کفر کا بدلہ یہ دیا کہ

(وَاُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ‌ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ﴿۴۴﴾)[3]

اور اس کے پھل گھیر لیے گئے تو اپنے ہاتھ ملتارہ گیا اس لاگت پر جو اس باغ میں خرچ کی تھی اور وہ اپنے ٹَٹّیوں[4] پر گرا ہوا تھا اور کہہ رہا ہے: اے کاش میں نے اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے اسکا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا۔

---

1 ... پ۱۵، الکہف: ۳۴-۴۱۔
2 ... یعنی چٹیل۔
3 ... پ۱۵، الکہف: ۴۲-۴۴۔
4 ... یعنی چھپروں۔

نوٹ: اصل میں لفظ "ٹیٹوں" لکھا تھا جسے کنز الایمان سے تقابل کر کے درست کر دیا گیا

اس شخص کے یہ کہنے سے کہ وَلَىٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ ظاہر ہے کہ وہ خدا کے وجود کا قائل تھا مگر آخرت کا قائل نہ تھا، اس لیے اس کے ساتھی نے اسے کُفْر بِاللہ کا مجرم قرار دیا۔ ان ساری آیات اور مکالمہ سے دین میں عقیدۂ آخرت کی اہمیت کا یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ کُفْر بِاللہ محض ہستیِ باری کے انکار کا نام ہی نہیں ہے بلکہ تکبر اور فخر و غرور اور انکارِ آخرت بھی اللہ سے کفر ہی ہے، جس نے یہ سمجھا کہ میری دولت اور شان و شوکت کسی کا عطیہ نہیں بلکہ میری قوت و قابلیت کا نتیجہ ہے اور میری دولت لازوال ہے کوئی اس کو مجھ سے چھیننے والا نہیں اور کسی کے سامنے مجھے حساب دینا نہیں وہ اگر خدا کو مانتا بھی ہے تو محض ایک وجود کی حیثیت سے مانتا ہے اپنے مالک اور آقا اور فرمانروا کی حیثیت سے نہیں مانتا حالانکہ اِیمان بِاللہ اسی حیثیت سے خدا ماننا ہے نہ کہ محض ایک موجود ہستی کی حیثیت سے۔

(وقوعِ قیامت عقل و انصاف کا تقاضا ہے:)

قیامت کا وقوع عقل اور انصاف کا تقاضا ہے کیونکہ جب خدا نے انسان کو عقل و تمیز اور تصرُّف کے اختیارات دے رکھے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے اعمال وافعال سے بھی باخبر رہے گا اور یہ دیکھے گا کہ اُس کی زمین میں اِس نے ان اختیارات کو کیسے استعمال کیا؟ قیامت برپا کیے بغیر خدا کی حکمت کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور ایک حکیم سے بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے اسی لیے فرمایا کہ

(لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا (یہ قیامت اس لیے برپا کی جائے گی کہ) تاکہ

الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴)[1]

صلہ دے (اللہ) اُنہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔(سورۃ السبا۳۴، رکوع۱)

(وقوعِ قیامت اخلاق کا بھی تقاضا ہے:)

قیامت برپا کیا جانا صرف عقل ہی کا تقاضا نہیں بلکہ اخلاق کا تقاضا بھی ہے۔ ہر زمانے میں انسان کے مختلف طریقوں میں اس معاملہ میں اختلافات رہے ہیں اور ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک اخلاقی رویّہ اختیار کیا ہے آخر کوئی وقت تو ہونا چاہیے جب کہ ان سب کا اخلاقی نتیجہ صلہ یا سزا کی شکل میں ظاہر ہو، اس دنیا کا نظام اگر صحیح اور مکمل اَخلاقی نتائج کے ظہور کا مُتَحَمِّل[2] نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہیے جہاں یہ نتائج ظاہر ہو سکیں۔

(منکرین کے طنز وتَمَسْخُر کے قرآنی جوابات:)

جب منکرین اور کافرین علم حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ طنز اور تمسخر کے طور پر لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جس قیامت کے آنے کی یہ پیغمبر (رسول اللہ) خبر دے رہے ہیں وہ تو آتی ہی نہیں تو خدا نے رسول اللہ سے کہا کہ

(قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ

تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم بے شک ضرور تم پر آئے گی، غیب جاننے والا

---

1 . . . پ۲۲،سبا:۴۔

2 . . . اٹل۔

ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۟ۙ)[1]

(عَالِمُ الْغَیْب) اس سے غائب نہیں ذرّہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک صاف بتانے والی کتاب میں ہے۔(سورۃ السبا ۳۴، ۳، رکوع ۱)

پروردگار کی قسم کھاتے ہوئے اس کے لیے عَالِمُ الْغَیْب کی صفت استعمال کرنے سے خود بخود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا آنا تو یقینی ہے مگر اس کے آنے کا وقت عَالِمُ الْغَیْب کے سوا کسی کو معلوم نہیں قیامت کے حقیقی ہونے کو خدا نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے یہ کہہ کر کہ جس طرح آج کے بعد کل کا آنا لابُدی[2] ہے اسی طرح آخرت کا بھی وقوع پذیر ہونا لازمی ہے اور اسی لیے خدا نے اس روزِ آخرت کے لیے انسان کو تیاری کرنے کی ہدایت فرمائی ہے:

(یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے اُنہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں، دوزخ

1... پ۲۲، سبأ:۳

2... یقینی۔

النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾)[1]

والے اور جنّت والے برابر نہیں[2]، جنّت والے ہی مراد کو پہنچے۔

(سورۃ الحشر ۵۹، رکوع ۳)

(اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾)[3]

بے شک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اُسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش[4] کا بدلہ پائے تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔ (سورۂ طٰہٰ ۲۰، رکوع ۱)

(وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ﴿۶﴾ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾)[5]

اور یہ کہ وہ مردے جِلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس لیے کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا اُنہیں جو قبروں میں ہیں۔

(سورۃ الحج ۲۲، رکوع ۱)

جہاں تک دوبارہ زندہ کیے جانے کا سوال ہے منکرین اسکا مذاق قصۂ

1... پ۲۸، الحشر: ۱۸-۲۰۔
2... اصل میں یہاں لفظ "ہیں" تھا جسے کنزالایمان سے تقابل کرکے درست کر دیا گیا۔
3... پ۱۶، طٰہٰ: ۱۵-۱۶۔
4... اصل میں یہاں کچھ ترجمہ کتابت سے رہ گیا تھا جسے کنزالایمان سے پورا کر دیا گیا ہے۔
5... پ۱۷، الحج: ۶-۷۔

پارِینہ[1] کہہ کر اڑاتے تھے؛ اس لیے خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

(قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸۳﴾)[2]

انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے، بولے: کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں کیا پھر نکالے جائیں گے بے شک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے باپ دادا کو دیا گیا، یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں۔(سورۃ المؤمنون ۲۳، رکوع ۵)

خدائے تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیے جانے کی وجہ بھی اُنہیں بتائی جس کا براہِ راست تعلق عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے سے ہے، فرمایا:

(ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۴﴾)[3]

یہ ہے تمہارا اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بیشک وہ پہلی بار بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے لیے پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب بدلا ان کے کفر کا۔(سورۃ یونس ۱۰، رکوع ۱)

1... پرانی کہانی۔

2... پ۱۸، المؤمنون: ۸۱-۸۳۔

3... پ۱۱، یونس: ۳-۴۔

منکرین اگر کبھی سنجیدگی سے بھی قیامت کے یقینی ہونے پر رسول اللہ کی طرف مخاطب ہوتے تھے تب بھی طنزیہ انداز ہی میں استفسار کرتے تھے کہ

(وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ)[1] اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو۔ (سورۃ الملک ۶۷، رکوع ۲)

(یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَاؕ)[2] تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے۔ (سورۃ الاعراف ۷، رکوع ۲۳)

(یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا)[3] تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے۔ (پ ۳۰، النزعٰت: ۴۲)[4]

ان سوالات کا جواب انہیں بار بار دیا جاتا رہا، چند جوابات درج ذیل ہیں جو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دلوائے گئے:

(قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةًؕ یَسْــٴَـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَاؕ قُلْ اِنَّمَا

تم فرماؤ اس (قیامت کب کو ٹھہری ہے) کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اُسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تم پر نہ آئے گی مگر اچانک، تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے

1... پ ۲۹، الملک: ۲۵۔

2... پ ۹، الاعراف: ۱۸۷۔

3... پ ۳۰، النزعٰت: ۴۲۔

4... اصل میں یہاں سورۂ عبس کا حوالہ دیا گیا تھا جسے کتابت کی غلطی پر محمول کرتے ہوئے تصحیح کر دی گئی۔

عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾)[1]

اُسے خوب تحقیق کررکھا ہے تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔(سورۃ الاعراف ۷، رکوع ۲۳)

(فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا)[2]

تمہیں اس (قیامت کب کو ٹھہری ہے) کے بیان سے کیا تعلق، تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے، تم تو فقط اُسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے۔(سورۃ النزعٰت ۷۹، رکوع ۲)

(قیامت کا وقت چھپائے جانے کی حکمت:)

اس وقت کو مخفی اس لیے رکھا گیا ہے کہ آزمائش کا مدّعا پورا ہو سکے اور جب یہ ساعتِ مُنْتَظَرہ[3] آئے تو ہر شخص کو جس نے دنیا میں جیسی سعی کی ہے اس کا اُسے ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جاسکے۔

فیصلہ کی گھڑی کو دور سمجھ لینا انسان کی سب سے بڑی بھول ہے کیونکہ انسان کی ہر سانس آخری سانس ہو سکتی ہے آخرت پر یقین رکھنے اور نہ رکھنے والوں کا نفسیاتی تجزیہ خدا نے اس طرح پیش کیا ہے:

(وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا

اور تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہی ہو، اس کی جلدی مچا رہے ہیں وہ جو اس پر ایمان

1 ... پ۹، الاعراف: ۱۸۷۔

2 ... پ۳۰، النزعٰت: ۴۳-۴۵۔

3 ... گھڑی جس کا انتظار تھا۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۸﴾ [1]

نہیں رکھتے اور جنہیں اس پر ایمان ہے وہ اس سے ڈر رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہے، سنتے ہو بے شک جو قیامت میں شک کرتے ہیں ضرور دور کی گمراہی میں ہیں۔(سورۃ الشوریٰ ۴۲، رکوع ۲)

(ابتدائی دور کی سورتوں میں "عقیدۂ آخرت" پر زور دینے کی وجہ:)

مکی دور میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی دعوت میں سب سے زیادہ جس چیز کا مذاق منکرین نے اڑایا وہ آخرت کے وجوب سے تھا اور وہ اس بات پر صرف حیرانی اور تعجب کا ہی اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ اسے بالکل بعید از عقل و امکان سمجھ کر اسے ناقابلِ یقین ہی نہیں بلکہ ناقابلِ تصوُّر سمجھتے تھے مگر چونکہ آخرت کے عقیدے کو مانے بغیر انسان کا طرزِ فکر سنجیدہ نہیں ہو سکتا، خیر و شر کے معاملے میں اس کا معیارِ اَقدار [2] بدل نہیں سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اسلام کی راہ پر نہیں چل سکتا اس لیے مکہ مُعَظَّمَہ کے ابتدائی دور کی سورتوں میں زیادہ تر زور آخرت کا عقیدہ دلوں میں بٹھانے میں صَرف کیا گیا اور اس انداز میں کیا گیا کہ توحید کا تصوُّر بھی خود بخود ذہن نشیں ہوتا چلا جاتا ہے۔

(انکارِ آخرت کے بھیانک نتائج:)

انکارِ آخرت وہ چیز ہے جو کسی شخص، گروہ یا قوم کو مجرم بنائے بغیر نہیں رہتی،

1 ... پ۲۵، الشوریٰ: ۱۷-۱۸۔

2 ... جانچنے کا انداز۔

اخلاق کی خرابی اس کا لازمی نتیجہ ہے اور تاریخِ انسانی شاہد ہے کہ زندگی کے اس نظریے کو جس قوم نے اختیار کیا ہے وہ آخر کار تباہ ہو کر رہی، آخرت سے انکار دراصل خدا اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے اور آخرت سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدۂ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مانع[1] سمجھتے ہیں جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگیٔ نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بہ روز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں، ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ ﴾[2]

وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے اُن کے کوتک[3] اُن کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے ہیں تو وہ بھٹک رہے ہیں، یہ وہ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے بڑھ کر نقصان میں۔ (سورۃ النمل ۲۷، رکوع ۱)

﴿ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝۱۱ ﴾[4]

یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ۔ (سورۃ الفرقان ۲۵، رکوع ۲)

---

1 ... یعنی رکاوٹ۔

2 ... پ۱۹، النمل: ۴-۵۔

3 ... بُرے کام۔

4 ... پ۱۸، الفرقان: ۱۱۔

نماز کا پابند ہونا یا نہ ہونا بھی قرآن کی رو سے عَلَی التَّرتِیب[1] آخرت پر یقین رکھنے یا نہ رکھنے کے مترادِف قرار دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

﴿وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَۙ۝۴۵ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۠۝۴۶﴾[2]

اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور بے شک نماز ضرور ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اس کی طرف پھرنا۔(سورۃ البقرہ ۲، رکوع ۵)

(انفرادی اور اجتماعی رویّوں کی اصلاح کا ذریعہ:)

انسان کا انفرادی رویہ اور انسانی گروہوں کا اجتماعی رویہ کبھی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک یہ سُطُور[3] اور یہ یقین انسانی سیرت کی بنیاد میں پیوست نہ ہو کہ ہم کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اگر عقیدۂ آخرت حقیقتاً نَفْسُ الاَمری[4] کے مطابق نہ ہوتا اور اس کا انکار حقیقت کے خلاف نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اقرار کے یہ نتائج ایک لزومی شان کے ساتھ ہمارے تجربے میں آتے، ایک ہی چیز سے پَیہم صحیح نتائج کا برآمد ہونا اور اس کے عدم کے نتائج کا نتیجہ غلط ہو جانا بس اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ وہ چیز بجائے خود صحیح ہے، آخرت

1... سلسلہ وار۔

2... پ۱، البقرۃ: ۴۵-۴۶۔

3... لکیریں۔

4... یعنی واقع۔

کو ماننے سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا کہ

﴿یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ۝۹﴾[1]

اس قرآن سے وہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت میں ہی اوندھایا جانا ہو۔ (سورۃ الذٰریٰت ۵۱، رکوع ۱)

جب مومنین میدانِ حشر سے جنت کی طرف لے جائے جارہے ہوں گے اور آخرت سے انکار کرنے والے جن کے متعلق دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، اندھیرے میں ٹھوکریں کھارہے ہوں گے تو روشنی صرف اہلِ ایمان کے ساتھ ہوگی اس لئے کہ

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ﴾[2]

جس دن (روزِ حشر) اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو، اُن کا نور دوڑتا ہوگا اُنکے آگے اور اُنکے دہنے۔ (سورۃ التحریم ٦٦، رکوع ۲)

اس وقت اہلِ ایمان پر حقیقت کی کیفیت طاری ہوگی اور اس وقت بھی انہیں اپنے قصوروں اور کوتاہیوں کا احساس کر کے یہ اندیشہ لاحق ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی نہ چھن جائے اس لیے وہ دعا کریں گے کہ

﴿رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸﴾[3]

اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر دے اور ہمیں بخش دے بے شک تجھے ہر چیز پر قدرت ہے۔ (سورۃ التحریم ٦٦، رکوع ۲)

---

1 ... پ٢٦، الذٰریٰت: ۹۔

2 ... پ٢٨، التحریم: ۸۔

3 ... پ٢٨، التحریم: ۸۔

قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی اس لیے بھی کہ

(كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾)(1)

ہر چیز فانی ہے سوا اُس کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

(سورۃ القصص ۲۸، رکوع ۹)

(هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)(2)

وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

(سورۃ الحدید ۵۷، رکوع ۱)

الٰہی آیات کی ترجمانی اقبال نے بالِ جبریل کی نظم "مسجدِ قرطبہ" کے اس شعر میں کی ہے کہ

اوّل و آخر فنا باطن و ظاہر فنا نقشِ کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

عقیدۂ آخرت پر عقلی دلائل

مادیت پرستی کے اس دور میں واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارے افکار واعمال پر اب مذہب کی گرفت دن بہ دن ڈھیلی پڑتی جارہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کی باز پُرس کا خطرہ اب ایک تصوّرِ موہوم ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ غور فرمایئے تو مذہب کی بنیاد ہی عقیدۂ آخرت پر ہے۔

عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین دل میں راسخ ہو جائے کہ ہم مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور خدا کے سامنے ہمیں اپنی زندگی

1 ... پ۲۰، القصص: ۸۸۔

2 ... پ۲۷، الحدید: ۳۔

کے سارے اعمال کا حساب دینا ہو گا اور اپنے عمل کے اعتبار سے جزا و سزا دونوں طرح کے نتائج کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا، اسی یَوْمُ الْحِساب (یعنی حساب کے دن) کا نام مذہبِ اسلام کی زبان میں قیامت ہے۔

(عقیدۂ آخرت کے مُحَرِّکات[1]:)

اگر آخرت کا یہ اعتقاد دلوں سے نکل جائے تو مذہب کی پابندی کا سوال ہی بے معنی ہو کر رہ جائے، آخر کوئی آدمی کیوں رمضان کے مہینے میں سارا دن اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھے، ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں کیوں کوئی اپنے گرم لحاف سے نکل کر مسجد کی طرف جائے، اپنے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت کیوں کوئی زکوۃ کے نام پر غریبوں میں لٹائے، خواہشِ نفس اور قدرت و اختیار کے باوجود کیوں کوئی ایسی بہت ساری چیزوں سے منہ موڑے جسے مذہب نے ممنوع قرار دیا ہے؟ یہ ساری مشقتیں اور تکلیفیں صرف اسی لیے تو گوارا کرلی جاتی ہیں کہ ان کے پیچھے یا تو عذاب کا خطرہ لاحق ہے یا پھر دائمی آسائش و راحت کا تصوُّر مذہب کی ہدایات پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے یہ دو محرکات ہیں جو دل کے ارادوں پر حکومت کرتے ہیں دوسرے لفظوں میں اسی عقیدے کا نام اِیمان بِالْغَیب ہے یعنی اپنی آنکھ سے دیکھے اور اپنے کان سے سنے بغیر ان حقائق کا اپنے مشاہدہ سے بھی بڑھ کر یقین کیا جائے جن کی خبر رسولِ اعظم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

---

1 ... یعنی عقیدۂ آخرت پر ابھارنے والی چیزیں۔

آدمی اپنی سرِشت[1] کے اعتبار سے چونکہ مشاہدات پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے اس لیے بہت سے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جب ہم بالکل سڑ گل جائیں گے اور جب ہمارا جسم مٹی کا غبار بن کر ہر طرف بکھر جائے گا تو ان حالات میں ہم دوبارہ کیونکر زندہ کیے جاسکیں گے؟ عقیدۂ آخرت کے سوال پر اِلْحاد و تَشْکِیْك[2] کا دروازہ بند کرنے کے لیے ہم شدّت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسے عقلی دلائل سے اتنا مُسَلَّم[3] کر دیا جائے کہ عقلِ غلط اَندیش[4] بھی سر جھکا لے اور یہ الزام بھی رَفع[5] ہو جائے کہ اندھی تقلید کے علاوہ عقیدۂ آخرت کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے۔

پہلی دلیل

اپنی بات کا آغاز ہم مشاہدہ سے کرتے ہیں کہ انسانی معلومات کا سب سے پہلا ذریعہ مشاہدہ ہی ہے، چوبیس ہزار میل کی گولائی والی یہ زمین، آسمان کی بلندیوں سے گلے ملتے ہوئے پہاڑوں کی یہ قطار اور بے پایاں وسعتوں میں پھیلا ہوا سمندروں کا یہ لہراتا ہوا خطہ یہ ساری چیزیں ہم سے سوال کرتی ہیں کہ ہمیں کس نے پیدا کیا؟

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب سِوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان ساری چیزوں کو خدائے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْك نے پیدا کیا پھر اس کے بعد دوسرا سوال اٹھے گا کہ

1... خصلت۔

2... یعنی عقیدۂ آخرت سے انکار و انحراف اور اس میں شکوک و شبہات۔

3... ثابت۔

4... غلط سوچ رکھنے والی عقل۔

5... دور۔

زمین کس چیز سے بنائی گئی، پانی کا مادّہ تخلیق کیا تھا اور پہاڑوں کا وجود کس چیز کے ذریعہ عمل میں آیا؟ اگر اپنی حماقت سے کسی چیز کا نام لے لیا گیا تو پھر اس چیز کے بارے میں اسی طرح کا سوال اٹھے گا اور سوالات کا یہ سلسلہ اٹھتا ہی رہے گا جب تک کہ یہ سچی بات کہہ نہ دی جائے کہ خداوندِ قدیر نے ان ساری چیزوں کو بغیر کسی مادّہ کے صرف اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

(قدرت سے پیدا کرنے کا مطلب:)

قدرت سے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اس کے لیے لفظ کُنْ (یعنی ہوجا) فرمادیا اور وہ چیز خدا کی مرضی کے مطابق وجود میں آگئی، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۸۲ (1)

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اُسے کلمہ دیتا ہے کہ تو ہوجا تو وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اتنی بڑی زمین اور اتنا بڑا آسمان خداوندِ قدیر نے بغیر کسی مادہ سے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تو یہ بات عقل کو بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ اس خدائے حی و قدیر کے لیے سڑے گلے مُردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

قرآنِ حکیم نے عقیدۂ آخرت کے سلسلے میں اس طرح کے شبہے کا جواب جتنی

---

1 ... پ۲۳، یٰسٓ: ۸۲۔

بلاغت کے ساتھ دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک گستاخ کافر نے ایک بوسیدہ ہڈی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ کیا سڑی گلی ہڈی دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی[1]:

وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ ﴿۷۹﴾ (یٰس)[2]

اور اس نے ہمارے خلاف ایک مثل گڑھی اور اپنی تخلیق کا واقعہ بھول گیا (دوبارہ زندہ کیے جانے کے عقیدے پر اعتراض کرتے ہوئے) کہا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب میں فرما دیجئے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اسے وجود بخشا تھا اور وہ اپنی ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔

انسانی دنیا کا یہ دستور سامنے رکھئے تو جواب کی بلاغت اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی کہ کام پہلی بار مشکل ہوتا ہے دوسری بار تو بالکل آسان ہو جاتا ہے لیکن جو کام خدا کے لیے پہلی بار بھی مشکل نہیں تھا وہ دوسری بار کیونکر مشکل ہو جائے گا!؟

دوسری دلیل

اس عالمِ ہستی میں انسان کی آمد پر آپ غور کریں گے تو آپ پر یہ راز کھلے گا کہ انسان اچانک یہاں نہیں آگیا بلکہ اس عالم میں قدم رکھنے سے پہلے کئی عالم سے

1… تفسیر خازن، یٰس، تحت الآیۃ: ۷۸، ۴/۱۳۔

2… پ۲۳، یٰس: ۷۸-۷۹۔

وہ گزر چکا تھا، پہلا عالم "عالمِ اَرواح" ہے جہاں اس کی روح موجود تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ استقرارِ حمل[1] کے کچھ عرصہ بعد جب بچے کے جسم میں روح داخل ہوتی ہے اور وہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے وہ روح کہاں تھی یا کہاں سے آئی؟ وہ جہاں بھی موجود ہو یا جہاں سے بھی آئی ہو اسی عالم کا نام "عالمِ اَرواح" ہے۔

اب عالمِ ارواح کے بعد دوسرا عالم ہے "شکمِ مادر"[2] جسے "عالمِ اَرحام" بھی کہا جاتا ہے، اس عالم میں بھی انسان کو کم و بیش نو مہینے رہنا پڑتا ہے، ایک منٹ رک کر ذرا قدرت کا یہ حیرت انگیز انتظام دیکھئے کہ ایک چلتی پھرتی قبر میں نو مہینے تک ایک بچہ زندہ رہتا ہے، اس کے معنٰی یہ ہیں کہ انسانی زندگی کے لیے جتنے اَسباب کی ضرورت ہے وہ سارے اسباب بچے کو وہاں فراہم کیے جاتے ہیں۔

شکمِ مادر سے باہر آجانے کے بعد اگر ساری دنیا کے اطباء و حکماء چاہیں کہ پیٹ چاک کرکے پھر بچے کو دوبارہ اس جگہ منتقل کردیں تو یقین ہے کہ ایک منٹ بھی وہاں زندہ نہیں رہ سکے گا، یہیں سے خدا اور بندوں کے انتظام کا فرق سمجھ میں آجاتا ہے کہ جو چیز بندوں کے لیے ناممکن ہے وہ خدا کی قدرت کے سامنے ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ہر عالم کا ماحول اور تقاضا الگ الگ ہے، ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں کیا جاسکتا۔

1... یعنی حمل ٹھہرنے۔

2... یعنی ماں کا پیٹ۔

اتنی تفصیل کے بعد کہنا یہ ہے کہ عالمِ دنیا میں آنے سے پہلے اگر انسان کو مرحلہ وار دو عالم سے گزرنا پڑتا ہے تو عالمِ دنیا کے بعد بھی اگر کوئی چوتھا عالم مان لیا جائے تو اس میں کیا عقلی قباحت ہے؟ اسی چوتھے عالم کا نام ہم عالمِ آخرت رکھتے ہیں، اگر اسی نام سے اختلاف ہے تو کوئی اور نام رکھ لیا جائے لیکن ایک چوتھا عالم تو بہر حال ماننا ہی پڑے گا؛ کیونکہ مرنے کے بعد جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہی سوال یہاں بھی اٹھے گا کہ نکل کر وہ کہاں گئی؟ وہ جہاں بھی گئی ہو اسی کا نام عالمِ آخرت ہے۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے وجود کو مرحلہ وار چار عالموں سے گزرنا پڑتا ہے، دو عالم سے تو ہم گزر چکے ہیں، یہ دنیا تیسرا عالم ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور چوتھے عالم میں مرنے کے بعد قدم رکھیں گے۔

تیسری دلیل

جس طرح زمین و آسمان کا وجود کسی بالاتر ہستی کی مشیت کا نتیجہ ہے اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی قدرت سے ہوتی ہے اور وہی اس کارخانۂ ہستی کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہے وہی آسمان سے پانی برساتا ہے وہی زمین سے دانے اگاتا ہے اور وہی انسانی زندگی کے لیے سارے اسباب فراہم کرتا ہے۔

اسی نے انسان کو اَشْرَفُ المخلوقات بنایا اور عقل و فہم کی نعمت سے آراستہ کر کے خیر و شر اور صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی قوت عطا فرمائی۔

اس کائنات میں انسان کا مقام جتنا بلند ہے اسی اعتبار سے اس پر ذمہ داریاں

بھی عائد کی گئی ہیں، بہت سے فرائض کا اسے پابند کیا گیا ہے اور بہت سی چیزوں سے اسے روک دیا گیا ہے۔ فرائض کی پابندی کرنے والوں کو انعام و جزا کی بشارت دی گئی ہے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا کا خوف دلایا گیا۔ جس خدا نے انسانوں کو پیدا کیا، انہیں پالا اور جگہ جگہ بے شمار نعمتوں کے دستر خوان ان کے لیے بچھائے اور بے پایاں رحمت و کرم کے ساتھ قدم قدم پر ان کی ناز برداری کی اسے قطعاً حق پہنچتا ہے کہ نافرمانوں کو وہ سزا دے اور اطاعت شعاروں کو خلعتِ اکرام سے نہال کرے۔

ان حالات میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زندگی بھر کے اعمال کا محاسبہ کرنے کے لیے حساب و کتاب کا ایک دن مقرر کیا جائے تاکہ اطاعت شِعاروں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے اور نافرمانوں کو سزا دی جائے، اگر فیصلہ کا کوئی دن مقرر نہ ہو تو جزا و سزا کا قانون بے معنٰی ہو کر رہ جائے۔

اب یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ فیصلہ کا جو دن مقرر کیا گیا ہے اس کا نام قیامت کا دن ہے، اور وہ عالم آخرت میں پیش آئے گا۔

چوتھی دلیل

عقیدۂ آخرت کے منکرین کے پاس سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ عالمِ دنیا کے علاوہ بھی اگر کوئی اور عالم ہے تو وہ ہماری آنکھوں سے نظر کیوں نہیں آتا اور اس عالم کی آواز ہمارے کانوں تک کیوں نہیں پہنچتی؟

اس مقام پر ذرا جہل کی فطرت کی ہم آہنگی دیکھئے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام

کی قوم کے گمراہ لوگوں نے بھی یہی کہا تھا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً[1] ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے۔

لیکن یہ نادان اس بات کو نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ نہ ہونا اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور کسی آواز کو اپنے کانوں نہ سن سکنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ آواز کا وجود ہی نہیں ہے۔

آج کے مشینی دور میں اس کی بہت سی زندہ مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں، مثال کے طور پر کسی بھی ریڈیو اسٹیشن سے جو آواز نشر کی جاتی ہے وہ ریڈیائی لہروں کے ذریعہ فضا میں ہر طرف پھیل جاتی ہے اس کی لہریں ہمارے کانوں کے قریب سے گزرتی رہتی ہیں لیکن آواز سنائی نہیں دیتی لیکن جیسے ہی ہم ریڈیو آن کرتے ہیں فضا میں تیرنے والی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرانے لگتی ہے۔

بالکل اسی طرح ٹیلی ویژن سینٹر سے روشنی کی لہروں کے دوش پر جو تصویریں ٹیلی کاسٹ کی جاتی ہیں وہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزرتی رہتی ہیں لیکن ہمیں فضا میں کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا اور جیسے ہی ہم ٹیلی ویژن بکس کا بٹن دباتے ہیں اسکرین پر ساری تصویریں ہمیں نظر آنے لگتی ہیں اسی طرح کسی کے پھیپھڑے کا سیاہ دھبہ ہمیں باہر سے نظر نہیں آتا لیکن ایکسرے مشین نہ صرف یہ کہ اس دھبے کو دیکھ لیتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی دکھا دیتی ہے۔

---

1 ... پ۱، البقرۃ: ۵۵۔

ان ساری مثالوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ موجود ہونے کے باوجود بہت سی چیزوں کے دیکھنے اور سننے سے ہم صرف اس لیے قاصر رہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے مشاہدہ کے لیے ذرائع نہیں ہیں، نہ آنکھوں میں اس کے لیے قوتِ بصارت ہے اور نہ کانوں میں اس کے لیے قوتِ سماعت ہے، اس لیے اصل سوال مشاہدہ کے فقدان کا نہیں بلکہ ذرائع کے فقدان کا ہے۔

اور ایسا اس لیے ہے کہ جس نے ہمیں آنکھیں عطا کی ہیں، ہمیں کان مرحمت فرمائے ہیں اس نے بصارت و سماعت کی قوتوں کے لیے حدیں بھی مقرر کر دی ہیں ہم اپنی آنکھوں سے مصری کی ڈلی تو دیکھ لیتے ہیں لیکن اس کی مٹھاس نہیں دیکھ سکتے اسی طرح آنکھیں صرف مادّی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں مصری کی مٹھاس اور سنکھیا کا زہر چونکہ ایک معنوی حقیقت ہے اس لیے آنکھوں میں اس کے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں دی گئی ہے۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اس عالم کی معنوی حقیقت کو دیکھنے کی قوت ہماری آنکھوں میں نہیں ہے تو وہ عالمِ آخرت جس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے اسے ہماری آنکھیں کیونکر دیکھ سکتی ہیں؟ البتہ خدا نے اپنے جن مقرب بندوں کو غیبی قوتِ ادراک سے سرفراز کیا ہے وہ اسی دنیا میں غیبی حقیقتوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ حدیثوں میں اس طرح کی روایتیں کثرت سے ملتی ہیں کہ حضور پاک صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسی زمین پر کھڑے ہو کر جنّت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا ہے، جہاں تک بیان کیا گیا ہے حضور نے چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر جنّت کے انگور کا ایک

خوشہ توڑ لیں لیکن پھر خیال کچھ آیا اور ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

حضرت جبرئیل امین عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہی خدائے ذوالجلال کی وحی لے کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آیا کرتے تھے۔ حضور بے تکلف انہیں دیکھتے تھے اور براہِ راست ان کی آواز سنتے تھے حالانکہ حضرت جبرئیل امین عالمِ دنیا کی نہیں عالمِ غیب کی ہستی ہیں۔

یہ روایت بھی حدیثوں میں موجود ہے کہ قبرستانوں سے گزرتے ہوئے حضورِ اَنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس امر کا بھی مشاہدہ فرمالیتے تھے کہ عالمِ برزخ میں کسی مُردے کا کیا حال ہے[2] حالانکہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب کا سارا معاملہ عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ ان ساری بحثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ عالمِ آخرت کے حقائق اپنی جگہ پر موجود ہیں، کمی جو کچھ ہے وہ ہمارے اندر ہے کہ ان کے مشاہدے کے لیے روح میں جس لطافت کی ضرورت ہے وہ ہر انسان کو میسر نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

تاریخِ عالم کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ عالمِ آخرت کا تصوُّر انسان کی فطرت میں اس طرح وَدِیعت کر دیا[3] گیا ہے کہ عہدِ قدیم[4] سے

1... بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی الامام فی الصلاۃ، ۱/۲۶۵، الحدیث: ۷۴۸۔
2... بخاری، کتاب الوضوء، ۵۹-باب، ۱/۹۶، الحدیث: ۲۱۸۔
3... یعنی رکھ دیا۔
4... زمانۂ ماضی۔

دنیا کی ساری اَقوام کسی نہ کسی شکل میں مرنے کے بعد جزا و سزا کے عقیدہ سے منسلک رہی ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مرنے کے بعد سب کے پاس مردے کی نجات و مغفرت کے لیے کچھ نہ کچھ مذہبی رسوم ضرور ادا کیے جاتے ہیں، اس کے لیے چاہے طریقے مختلف ہوں لیکن تصوُّر تو مشترک ہے۔

آپ مختلف زبانوں کی لغات کا تفصیلی جائزہ لیں تو جنت کے دوزخ کے ہم معنی الفاظ آپ کو ہر زبان میں مل جائیں گے اور یہ اصول اہلِ زبان کے درمیان مُسَلَّم[1] ہے کہ ہر زبان میں اسی مفہوم کے لیے الفاظ وضع کیے جاتے جو اہلِ زبان کے تصوُّر میں پہلے سے موجود ہوتا ہے، بحث کے اس رخ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عالَمِ آخرت کا تصوُّر صرف اہلِ اسلام ہی کے عقیدے میں نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کی فطرت اسی عقیدہ سے ہم آہنگ[2] ہے۔

چند مخصوص طبقات اور چند مخصوص عہد کے لوگوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فکر و اعتقاد کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے لیکن نسلِ انسانی کے یومِ آغاز سے لے کر آج تک بلا تفریق ساری دنیا کے انسانوں پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا کہ آخرت کے تصوُّر کو اپنے مذہبی عقائد کی فہرست میں شامل کر کے وہ فریبِ مسلسل کا شکار رہے، خاص طور پر ان حالات میں جب کہ عقیدۂ آخرت کی تعلیم دینے والوں میں وہ انبیاء و مرسلین (عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) بھی ہیں جن کی شخصیتیں نہ

1… مانا ہوا۔

2… متفق۔

صرف اہلِ اسلام میں بلکہ اقوامِ عالم میں بھی مُسَلَّمُ الثُّبُوت[1] اور عزت و شرف کی حامل ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اپنے حلقے میں مذہبی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے ہیں، اس لیے کہنے دیا جائے کہ اگر تاریخ کے ہر دور کے سارے انسانوں کو ہم جھوٹا قرار دے دیں تو پھر اس دنیا میں کون سچا رہ جائے گا؟

اپنے مضمون کے آخری مرحلے سے گزرتے ہوئے یہ فقرہ ضرور چُسْت[2] کروں گا کہ **عقیدۂ آخرت کی تکذیب کرنے والا صرف کسی ایک طبقے کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ ابتداء سے لے کر آج تک ہر عہد کے سارے انسانوں کو وہ جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے**۔ میں یقین کرتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی ہوشمند انسان اس جارحانہ اندازِ فکر سے ہرگز اتفاق نہیں کرے گا۔

عقیدۂ آخرت

قیامت و بعث و حشر و حساب و ثواب و عذاب و جنت و دوزخ سب کے وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں، جو شخص ان چیزوں کو تو حق کہے مگر ان کے نئے معنی گھڑے (مثلاً ثواب کے معنی اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا اور عذاب اپنے بُرے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا یا حشر فقط روحوں کا ہونا) وہ حقیقۃً ان چیزوں کا منکر ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔ (بہار شریعت، ۱/۱۵۱)

1... یعنی ایسی تسلیم شدہ ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔

2... یعنی چسپاں۔

ماخذ و مراجع

***	قرآن پاک	کلام باری تعالیٰ	***
نمبر شمار	**کتاب**	**مصنف/مؤلف/متوفی**	**مطبوعہ**
۱	کنز الایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی ۱۳۴۰ھ	مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۲ھ
۲	تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد بغدادی متوفی ۷۴۱ھ	مطبعہ میمنیہ، مصر ۱۳۱۷ھ
۳	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۹ھ

نزع کے وقت ایمان لانے کا حکم

جب زندگی کا وقت پورا ہو جاتا ہے اُس وقت حضرت عزرائیل عَلَیْہِ السَّلَام قبضِ روح کے لیے آتے ہیں اور اُس شخص کے دہنے بائیں جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے فرشتے دکھائی دیتے ہیں، مسلمان کے آس پاس رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں اور کافر کے دہنے بائیں عذاب کے۔ اُس وقت ہر شخص پر اسلام کی حقّانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے مگر اُس وقت کا ایمان معتبر نہیں، اس لیے کہ حکم ایمان بالغیب کا ہے اور اب غیب نہ رہا بلکہ یہ چیزیں مشاہد ہو گئیں۔

(بہار شریعت، ۱/۹۸-۱۰۰)

فہرست

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نیک نمازی بننے کیلئے

ہر جُمعرات بعد نمازِ مغرب آپ کے یہاں ہونے والے **دعوتِ اسلامی** کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں رضائے الٰہی کیلئے اچّھی اچّھی نیّتوں کے ساتھ ساری رات شرکت فرمائیے ❁ سنّتوں کی تربیت کے لئے **مَدَنی قافلے** میں عاشقانِ رسول کے ساتھ ہر ماہ تین دن سفر اور ❁ روزانہ "**فکرِ مدینہ**" کے ذَرِیعے **مَدَنی اِنعامات** کا رِسالہ پُر کر کے ہر مَدَنی ماہ کی پہلی تاریخ اپنے یہاں کے ذِمّے دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے۔

میرا مَدَنی مقصد: "مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرنی ہے۔" اِنْ شَآءَاللہ عَزَّوَجَلَّ۔ اپنی اِصلاح کے لیے "**مَدَنی اِنعامات**" پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کے لیے "**مَدَنی قافلوں**" میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَاللہ عَزَّوَجَلَّ

ISBN 978-969-631-624-4
0126135

MC 1286

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)
UAN: +92 21 111 25 26 92 Ext: 1284
Web: www.dawateislami.net / Email: ilmia@dawateislami.net